مطالبہ جہیز کی شرعی حیثیت اور شادی کے اخراجات

سیدہ سعدیہ*

سیدہ مریم شاہ**

نکاح کا حقیقی مقصد پاکیزہ زندگی گزارنا، گناہ سے کنارہ کش ہونا اور نسل انسانی کا تسلسل برقرار رکھنا ہے۔ یہی وجہ ہے اسلام میں نکاح کرنے کو نفلی عبادت سے بھی زیادہ افضل قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ نکاح کے ذریعے تہذیب اخلاق کا حصول ہوتا ہے اور معاشرتی فتنوں سے بچاؤ کے ساتھ ساتھ ایک صالح اور پاکیزہ خاندان و معاشرے کا وجود عمل میں آتا ہے۔ نکاح کے ذریعے مرد و عورت پر جو مالی و اخلاقی اور معاشرتی و تمدنی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان ذمہ داریوں کی بہتر انجام دہی پر ایک مہذب و متمدن معاشرہ کی نشوونما موقوف ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ایک حدیث میں نکاح کو انبیاء کی سنت قرار دیا گیا ہے۔

"اربع من سنن المرسلين: الحياء و التعطر والسواک والنكاح"(۱)

چار چیزیں پیغمبروں کی سنت ہیں: حیاء داری، خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

" النكاح من سنتي فمن لم يعمل بسنتي فليس مني" (۲)

"نکاح میری سنت ہے جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ مجھ سے نہیں۔"

ان احادیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ نکاح کرنا کس قدر اہم ہے۔ ازدواجی زندگی ایک دینی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ ایک معاشرتی ذمہ داری ہے۔ معاشرے کی اصلاح و تربیت تبھی ممکن ہو سکتی ہے جب اس تعلق میں اخلاص، محبت و مودت اور حقوق و فرائض کی انجام کے جذبات موجزن ہوں۔ کیونکہ لالچ، خود غرضی حقوق و فرائض سے لاپرواہی تمام معاشرتی فتنوں کی جڑ ہے جس کی بیخ کنی کرنا ضروری ہے۔ جب رشتوں کے مابین یہ اخلاقی معائب آجائیں تو رشتوں میں اخلاص، محبت، ایثار، حسن سلوک واحسان باقی نہیں رہتے جو تعلقات کو پائیداری و استحکام کی اساس ہیں۔ تعلق محض ایک بار خاطر بن جاتے ہیں، جبکہ رشتے غرض اور کاروبار بن جاتے ہیں۔ عصر حاضر میں مادیت پسندی، حرص و ہوس، خود غرضی و ذاتی مفادات نے جہاں بہت سے تعلقات میں بگاڑ پیدا کیا ہے کہ جس کے باعث انسان اپنے ہی والدین، بہن بھائیوں اور عزیز رشتہ دراوں کے خون کا پیاسا بن جاتا ہے وہیں نکاح جیسا مقدس بندھن بھی یعنی ازدواجی تعلق بھی انھی مفاسد کی بھینٹ چڑھ گیا ہے۔ نکاح جو انبیاء کرامؑ کی سنت اور انسان کے سکون و مودت کا ذریعہ ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجاً لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ

* پی ایچ ڈی سکالر شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

** پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (۳) یہ تعلق ہر آنے والے دن کے ساتھ اپنے حقیقی مقاصد و روح سے دور ہوتا جا رہا ہے۔

جہیز اور اس چیز دیگر رسومات نے نکاح جیسے آسان فریضہ کو مشکل تر بنا کر بہت سے خاندانوں کی زندگی عذاب بنا دی ہے۔ نکاح کے جو دینی و دنیاوی، روحانی، جسمانی اور اخلاقی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں جہیز کا موجودہ غلط تصور ان پر پانی پھیر دیتا ہے۔ نیز انسان کو نرا حیوان اور خود غرض بنا کر ان تمام صالح مقاصد کی نفی کرتے ہیں جو اس ازدواجی تعلق سے مطلوب و مقصود ہیں۔ جہیز کا مطالبہ کرنا نکاح کے صالح مقاصد کے حصول میں رکاوٹ بنتا ہے۔ ہمارا پورا معاشرہ اس مفسدے کی لپیٹ میں ہے جس کے باعث بہت سی خرابیاں اور اخلاقی رزائل پیدا ہو رہے ہیں۔ آج کا سب سے مقبول عام اصول یہ ہے کہ لڑکی اپنے ساتھ کتنی مالیت کا جہیز کا سامان لے کر آئے گی؟ لڑکے کے والدین اور خود لڑکے کی جانب سے جہیز کا مطالبات کئے جاتے ہیں۔ گویا شادی کیا ہوئی ایک اچھی خاصی تجارت بن گئی جس مارکیٹ میں ہر کوئی اپنے آپ کو نیلام کروا رہا ہے اور جہاں زیادہ بولی لگے گی وہاں خود کو فروخت کر دے گا۔ یہ صورتحال روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور حالات سنگین ہوتے جا رہے ہیں۔

مقالہ ھذا میں مطالبہ جہیز کی شرعی حیثیت کا جائزہ لیا جائے گا۔ آیات و احادیث سے استدلال کرتے ہوئے اس حقیقت پر روشنی ڈالی جائے گی کہ ایک شخص کے لئے سوال کرنا کب جائز ہو سکتا ہے؟ اور اس کے حدود و ضوابط کیا ہیں؟ آیا یہ مال ناحق کھانے کے ضمن میں آتا ہے؟

لیکن ان سب سے پہلے لفظ جہیز کے معنی و مفہوم اور جہیز کے سنت ہونے کے بارے میں جو مغالطہ ہمارے ہاں پایا جاتا ہے اس کا جائزہ لیا جائے گا۔

جہیز کا معنی و مفہوم:

لفظ جہیز عربی زبان کے لفظ جھاز سے نکلا ہے اور اس کا مصدر تجہیز ہے۔ جس کا مطلب ہے ساز و سامان۔ یہ لفظ مطلقاً تیاری پر بولا جاتا ہے۔

ابن منظور افریقی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

۱۔ جب ایک جماعت کے لئے رخصت مہیا کیا جائے تو کہیں گے۔ جھز القوم

۲۔ اسی طرح جھز الغازی کا مطلب ہے غازی کیلئے سامان حرب مہیا کرنا

۳۔ جھز فلانا کے معنی ہیں فلاں کے لئے رخت سفر تیار کرنا.

۴۔ جھز العروس کے معنی ہیں دلہن کا سامان مہیا کرنا۔

۵۔ جھز المیت کا معنی ہے مردے کے کفن وغیرہ کا سامان مہیا کرنا۔ (۴)

المنجد میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

الجهاز للبيت او للسائر وللعروس مايحتا ج اليه (۵)

یعنی جہاز گھر یا مسافر یا دلہن کے لئے وہ سامان ہے جس کی احتیاج ہوتی ہے۔

مفردات القرآن میں ہے:

"الجهاز ما يعد من متاع وغيره والتجهيز حمل ذلک او بعثه." (۶)

جہاز اس سامان وغیرہ کو کہا جاتا ہے جو (کسی کے لئے) تیار کیا جاتا ہے اور تجہیز کا معنی اس سامان کو اٹھانا یا بھیجنا۔

نور اللغات کے مطابق: وہ اسباب جو لڑکیوں کو شادی کے وقت مانگے سے ملتا ہے۔(۷)

ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ جہیز کا مطلب کسی مقصد کے لیے تیاری کرنا۔ساز و سامان مہیا کرنا کے ہیں۔

جہیز کی مروجہ مفہوم وتعریف:

ہمارے معاشرے میں جہیز سے مراد وہ سامان زیست ہوتا ہے جو شادی بیاہ کے موقع پر دلہن کے ہمراہ کیا جاتا ہے۔ یہ ایک قدیم رسم ہے اور ہر ملک اور علاقے کی اس حوالے سے مخصوص صورتیں ہیں۔عموماً جہیز زیورات، نقدی، فرنیچر، پارچہ جات، ظروف، اور دیگر اشیاء پر مشتمل ہوتا ہے۔(۸)

Dowry is the property which a man recieves when he marries, elther from his wife or from her family. (9)

جہیز ایک جائیداد ہے جو مرد بوقت شادی اپنی زوجہ سے یا اس کے خاندان سے حاصل کرتا ہے۔

سید سابق اس کی تعریف یوں کرتے ہیں:

" الجهاز هو الاثاث الذى تعده الزوجة هى و اهلها ليكون معها فى البيت اذ دخل بها الزوج."(۱۰)

جہیز وہ سامان ہے جسے عورت خود اور اس کے ورثاء تیار کرتے ہیں تاکہ جب وہ بیاہ کر خاوند کے گھر جائے تو یہ سامان اس کے ہمراہ جائے۔

مزید لکھتے ہیں:

وقد جرى العرف على ان تقوم الزوجة واهلها باعداد الجهاز و تاثيث البيت وهو اسلوب من اساليب ادخال السرور على الزوجة بمناسبة زفافها. (۱۱)

یہ ایک عرف ہے کہ بیوی اور اس کے گھر والے جہیز اور گھر کا ساز و سامان تیار کرتے ہیں اور دوسرے یہ کہ عورت کے نئے گھر میں جانے کی مناسبت سے اس عورت کو خوش کرنے کا ایک طریقہ ہے۔

السید السابق اس حوالے سے مزید لکھتے ہیں:

وهذا مجرد عرف جرى عليه الناس (۱۲)

یہ صرف ایک عرف ہے جو لوگوں میں جاری ہے۔

برعظیم میں رسم جہیز کا تاریخی پس منظر:

Dowry is regarded as a gift in cash or kind given to the bridegroom, or to his family members, during , before, or after the solemnization of marriage.(13)

جہیز رقم یا کسی چیز کی صورت میں ایک تحفہ ہے جو دلہا یا اس کے اہل خانہ کو شادی کے دوران یا شادی سے قبل یا شادی کی تقریبات کے اختتام پر دیا جاتا ہے۔

ان تمام تعریفات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مروجہ رسم جہیز سے وہ سامان مراد ہے جو شادی کو موقع پر خواہ وہ عین شادی کے موقع پر دیا جائے، یا کچھ دن قبل یا شادی کی تقریبات کے دوران ہے۔

ہمارے معاشرے میں جہیز کے بغیر شادی کا تصور بھی محال ہے۔ اگر غور کیا جائے تو حقیقتاً یہ اسلام کے قانون وراثت سے فرار ہے۔ اور یہ رسم ہم نے ہندو معاشرے سے لی ہے اور پوری شدومد سے ہم نے اس کی پابندی کی ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت اسے سنت قرار دے کر اسے دین کا حصہ تصور کرتے ہیں۔ دراصل یہ ایک مغالطہ ہے جس میں ہماری اکثریت مبتلا ہے۔

علامہ وحید الدین لکھتے ہیں:

> شادی میں جہیز دینے کی رسم ہندوستانی مسلمانوں میں بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ نہ صرف یہ کی اس کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، یہ رسم ہندوستان اور پاکستان کے سوا دوسرے مسلم ملکوں میں بھی نہیں پائی جاتی۔ برصغیر ہند کے مسلمانوں میں یہ رسم یقینی طور پر ہندوؤں سے آئی ہے ہندو لوگ، اپنے قدیم قانون کے مطابق، بیٹی کو وراثت میں حصہ نہیں دیتے تھے، اس کی تلافی لیے یہ رواج پڑ گیا کہ شادی کے موقع پر لڑکی کو زیادہ سے زیادہ دیا جائے۔ چنانچہ وہ جہیز کے نام پر بیٹی کو اپنی دولت کا زیادہ سے زیادہ حصہ دینے لگے۔ (۱۴)

جہیز کی تاریخ کے متعلق ڈاکٹر ای ایس الٹیکر اپنی کتاب ہندو تہذیب میں عورت کا مقام و مرتبہ میں لکھتے ہیں:

> Dowery system, therefore was generally unknown in early societies , and the same was the case with ancient Hindus.In rich and royal families some gifts used to be given to

sons-in-law at the times of marriage(15)

''جہیز کا تصور ابتدائی ہندو معاشرے میں عام طور پر غیر معروف تھا اور یہی حال قدیم ہندوؤں کا بھی تھا۔ امیر اور شاہی خاندانوں میں (البتہ) شادی کے موقع پر چند تحفے دامادوں کو دینے کا رواج تھا۔''

جہیز کا تصور کیسے پیدا ہوا؟ ہندو معاشرے میں لڑکی کی رخصتی کے موقع پر اس کی تالیف قلب کے لیے چیزیں دی جانے لگیں۔ تاہم شادی سے پہلے کسی قسم کے مطالبہ یا تقاضے کا اس سلسلے میں کوئی جواز بالکل نہیں تھا۔

بقول ڈاکٹر موصوف:

''جہیز کا رواج نکاح کے تصور میں بطور ایک تحفہ مربوط ہوگیا (تاکہ لڑکی کی تالیف قلب ہو سکے) اور یہ تحفہ نقدی یا سونے کی شکل میں ہوا کرتا تھا جو برائے نام (معمولی قسم کا) ہوتا اور نکاح کے انعقاد میں رکاوٹ نہیں بنتا تھا۔ مگر معاشرتی برائی کی حیثیت سے اس کا عروج تیرہویں اور چودہویں صدی عیسوی میں راجپوتانہ میں ہوا اور انیسویں صدی کے وسط میں اس کا رواج نے ایک اہانت آمیز شکل اختیار کر گیا اور گزشتہ پچاس ساٹھ سال کے دوران جہیز ایک نفع بخش کاروبار کا روپ دھار چکا ہے۔''(۱۶)

البتہ مسلمانوں میں مروجہ جہیز جو سنت سمجھ کر دیا جاتا ہے وہ دراصل حضرت فاطمہؓ کو شادی پر آپ ﷺ کی جانب سے دیے جانے والے سامان کی نوعیت کے بارے میں مغالطہ کی وجہ سے ہے۔ اس سلسلے میں جو روایات آئیں ہیں ذیل میں ان کی تفصیلات اور اس سامان کی نوعیت واضح کی جاتی ہے۔

حضرت فاطمہؓ کا جہیز:

جو جہیز نبی کریم ﷺ نے خاتون جنت کو عطا فرمایا اس کی تفصیلات روایات میں آئیں ہیں۔

'' عن علی انه قال جهز رسول الله ﷺ فاطمه فی خمیل و قربة و وسادة ادم حشوها اذخر''(۱۷)

''حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فاطمہؓ کو سامان مہیا کیا ایک چادر، مشکیزے، اور ایک تکیہ جس میں جس میں اذخر گھاس بھری ہوئی تھی۔''

جہیز کا لفظ آج جس معنی میں بولا جاتا ہے عہد رسالت مآب ﷺ میں اس معنی کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ جہیز کے سنت ہونے کی غلط فہمی اس روایت سے پیدا ہوئی ہے جو ابھی مذکور کی گئی ہے۔

یہ روایت جس عنوان کے تحت آئی ہے وہ یہ ہے جہاز الرجل ابنتہ اور اس کا ترجمہ یہ دیا گیا ہے اپنی بیٹی کو جہیز دینے کا بیان۔(۱۸)

لہذا جب جہاز کا ترجمہ جہیز کیا جائے گا تو جہیز کو سنت ماننے کا مفہوم پیدا ہو جائے گا، چونکہ جہیز ہمارے معاشرے میں ایک مخصوص معنی میں مستعمل ہے اس وجہ سے ایک التباس پیدا ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ جبکہ از روئے لغت

الجہاز سفری سامان کو کہا جاتا ہے۔ سفری سامان چونکہ مسافر کا زادراہ ہوتا ہے اس لئے بعدازاں یہ ہر اس سامان کے لیے مستعمل ہو گیا جس کی کسی کو ضرورت ہو۔ اور تجہیز کا لفظ سامان سفر کے اٹھانے یا بھیجنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَ لَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ﴾ (۱۹)

''اور جب ان کے سامان سے تیار کر دیا۔''

جہیز کے انہی معنی کی رو سے اس روایت کو جس میں جھز کا لفظ استعمال ہوا ہے موجودہ زمانے میں بیٹیوں کو دیا جانے والا سامان تصور کیا گیا۔

روایت کے الفاظ یوں ہیں:

''ان رسول الله ﷺ اتی علیا وفاطمه وهما فی خمیل لهما و الخمیل القطیفة البیضاء من الصوف قد کان رسول الله جهزهما بها......'' (۲۰)

''حضور ﷺ حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لائے اور وہ دونوں ایک سفید اونی چادر میں تھے جو آپ نے انہیں عنایت کی تھی۔''

اگر اس حدیث مبارکہ سے استدلال کیا جائے تو جہیز کا جو مفہوم ہمارے ہاں مروج ہے وہ بالکل اخذ نہیں ہوتا، کیونکہ اگر جہیز کا مروجہ مفہوم مراد لیا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ آپ ﷺ نے اپنی بیٹی کے علاوہ اپنے داماد کو بھی جہیز دیا جبکہ یہاں یہ مفہوم عقلا اور نقلا ہر دو لحاظ سے غلط ہے۔ کیونکہ اس حدیث مبارکہ میں تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔

اسی طرح ایک اور روایت میں بیان ہے:

عن عبد الله بن عمرو، قال لما جهز رسول الله ﷺ فاطمه الیٰ علی بعث معها بخمیل. قال عطاء ما الخمیل. قال قطیفة. ووسادة من ادم حشوها لیف و اذخر و قربة. کانا یفترشان الخمیل و یلتحفان بنصفه.(۲۱)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فاطمہؓ کے نکاح کے بعد ان کو حضرت علیؓ کے یہاں بھیجا تو ان کے ساتھ ایک خمیل تھا۔ عطا راوی نے پوچھا کہ خمیل کیا ہے؟ حضرت عبداللہؓ نے کہا کہ چادر۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو چمڑے کا ایک تکیہ دیا جس کا بھراؤ کھجور کی چھال اور اذخر تھا اور ایک مشکیزہ۔ وہ دونوں اس چادر کا آدھا حصہ بچھاتے اور آدھا اوڑھ لیتے تھے۔''

عن اسماء بنت عمیس قالت لماا هدیت فاطمه الی علی بن ابی طالب لم نجد فی بیته الا رملا مبسوطاو وسادة حشوها لیف و جرة و کوزا(۲۲)

حضرت اسماء بنت عمیسؓ کہتی ہیں کہ فاطمہؓ جب رخصت کر کے علی کے یہاں بھیجی گئیں تو ہم نے ان

کے گھر میں اس کے سوا کچھ نہ پایا کہ وہاں ریت بچھی ہوتی تھی۔ اور ایک تکیہ تھا جس کا بھراؤ کھجور کی چھال تھا۔ اور ایک گھڑا تھا اور ایک پانی پینے کا پیالہ۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ یہ سامان حضرت علیؓ کی زرہ کی رقم سے خریدا گیا تھا جو انہوں نے حضرت عثمانؓ کو فروخت کی تھی۔

مواہب اللدنیہ میں امام قسطلانیؒ حضرت فاطمہؓ کی شادی کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ جب حضرت علیؓ نے رسول خداﷺ سے حضرت فاطمہؓ سے شادی کی درخواست کی تو آپﷺ نے فرمایا تمہارے پاس حق مہر کے لیے کیا ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کچھ نہیں۔ آپﷺ نے ان سے پوچھا تمہاری حطمی زرہ کہاں ہے اسے فروخت کردو۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے اپنی زرہ حضرت عثمان کے ہاتھ ۴۸۰ درہم میں فروخت کی۔ بعض روایات کے مطابق حضرت عثمان نے آپ کی زرہ خریدی اور بعد میں حضرت علیؓ کو ہدیہ کردی۔

حضرت علیؓ نے زرہ کی قیمت نبی کریمﷺ کی خدمت میں پیش کی، رسول اللہﷺ نے حضرت بلالؓ کو بلایا اور کچھ درہم انہیں دے کر فرمایا کہ اس رقم سے جناب فاطمہؓ کے لئے خوشبو اور گھر کی ضروری اشیاء خرید کر لاؤ۔ (۲۳)

حضرت فاطمہؓ کو جو اشیاء جہیز کی صورت میں دی گئیں ان کا تذکرہ مختلف سیرت نگاروں نے کیا ہے یہ جہیز جن اشیاء ضروری پر مشتمل تھا وہ یہ تھیں۔

۱۔ ایک سفید قمیص
۲۔ ایک بڑی چادر سر ڈھانپنے کیلئے
۳۔ ایک سیاہ خیبری حلہ
۴۔ ایک چارپائی جو کھجور کے لیف سے بنی ہوئی تھی
۵۔ دو عدد توشک گدے کہ ایک میں بھیڑ کی پشم بھری گئی تھی جبکہ دوسری میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے
۶۔ ایک عدد چٹائی
۷۔ ایک عدد دستی چکی
۸۔ ایک تانبہ کا پیالہ
۹۔ پانی بھرنے کیلئے ایک عدد چمڑے کی مشک
۱۰۔ کپڑے دھونے کے لئے ایک عدد تھاپا
۱۱۔ دودھ کے لئے ایک عدد پیالہ
۱۲۔ پانی پینے کا ایک عدد پیالہ
۱۳۔ ایک پشمی پردہ
۱۴۔ ایک عدد لوٹا
۱۵۔ ایک عدد مٹی کا برتن جسے صراحی (سبو) کہا جاتا ہے۔
۱۶۔ فرش پر بچھانے کے لئے ایک عدد چمڑا
۱۷۔ دو عدد کوزے
۱۸۔ چار عدد تکیے جو بھیڑ کے چمڑے سے بنائے گئے تھے کی جن کو اذخر نامی خوشبودار گھاس سے بھرا گیا تھا۔
۱۹۔ ایک عدد عبا (۲۴)

اس تمام تفصیل سے یہ ثابت ہوتا کہ کس قدر ضروری سامان تھا جو سیدہ فاطمہؓ کو عطا فرمایا گیا تھا۔

ایک شیعہ عالم بھی اس حوالے سے ایک روایت نقل کرتے ہیں اس میں مذکور ہے: کہ حضرت علیؓ نے حضرت

عثمانؓ کے ہاتھ جب زرہ بیچ کر رقم آپ کی جھولی میں ڈال دی تو آپ ﷺ نے اس میں سے دو مٹھی بھر کر حضرت ابوبکرؓ کے حوالے کیں اور فرمایا اس رقم سے فاطمہؓ کے لئے کپڑے اور گھر کا سامان خریدو۔

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ حضرت عمار بن یاسرؓ اور دیگر صحابہ بازار گئے۔ باقی صحابہ مختلف اشیاء حضرت ابوبکرؓ کو دکھاتے اور مشورہ طلب کرتے۔ جس چیز کو حضرت ابوبکرؓ پسند فرماتے وہ خرید لی جاتی۔ چنانچہ اس طرح ایک قمیص، ایک اوڑھنی، ایک خیبری سیاہ چادر، ایک بنی ہوئی چادر، ایک بنی ہوئی چارپائی، بستر کے دو گدے، ایک صفوف کا کپڑا، ایک چمڑے کا مشکیزہ، اور دودھ کے واسطے ایک لکڑی کا، اور پانی کے لئے ایک مٹی کا کوزا خرید لیا گیا۔ یہ سامان جب آپ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ ﷺ نے یوں دعا فرمائی:

بارک اللہ لاھل البیت(۲۵)

یہ روایت بھی واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ صرف انتہائی ضرورت کا سامان تھا جو آپ ﷺ نے خاتون جنت کے لئے ان کے مہر کی رقم سے مہیا کیا تھا۔

عن عائشہ و ام سلمہ قالتا امرنا رسول اللہ ﷺ ان تجھز فاطمہ حتی ندخلھا علی فعمدنا الی البیت ففرشناہ ترابا لینا من اعراض البطحا، ثم حشونا مرفقتین لیفا، فنفشناہ بایدنا ،ثم اطعمنا تمرا و زبیبا ، و سقیناہ ماء عذبا، و عمدنا الی عود فعرضناہ فی جانب البیت لیلقی علیہ الثوب و یعلق علیہ السقاء، فما را ء ینا عرسا احسن من عرس فاطمہ.(۲۶)

حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم فاطمہؓ کو تیار کر کے علیؓ کے پاس داخل کر دیں۔ چنانچہ ہم اس تیاری کے ضمن میں گھر کی طرف متوجہ ہوئیں۔ اسے سرزمین بطحا کی مٹی سے لیپا پوتا۔

یہ سادہ سا حسن انتظام عمدہ بلکہ بہترین سامان و نظام رخصتی تھا جو دونوں ازواج مطہرات کے انتظام و مشاہدہ پر مبنی تھا۔(۲۷)

گویا انہوں نے یہ کہنا چاہا ہے کہ جس کسی کی شادی میں اتنی چیزیں بھی میسر آ جائیں وہ اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھے۔ لیکن آج ہم نے شادی بیاہ کو اپنی بدعملی کے باعث خواہ مخواہ ایک زحمت کی چیز بنا لیا ہے۔

ان تمام تصریحات سے ثابت ہوتا ہے جہیز کا لفظ مروجہ مفہوم میں کہیں بھی استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ جہیز کا معنی سادہ سا سامان تیار کرنا ہے۔ رسول ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کے علاوہ اپنی تین اور بنات کی بھی شادیاں کیں، کتب سیرت و تاریخ میں جہاں ہم بنات رسول ﷺ کے بارے میں بہت سی تفصیلات ملتی ہیں وہاں اس حوالے سے کوئی بیان نہیں ملتا جس سے معلوم ہو سکے کہ آپؐ نے اپنی ان بیٹیوں کو کوئی سامان جہیز عنایت فرمایا تھا۔

مطالبہ جہیز کی شرعی حیثیت:

اسلام ہمیں تمام، شعبہ ہائے زیست کے بارے میں مکمل راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس کے بارے قرآن کریم اور احادیث رسول ﷺ سے ہدایت نہ ملتی ہو۔ انھی عطا کردہ ہدایات کی روشنی میں کوئی فقہا کرام وآئمہ اور مجتہدین اسلام نے کوئی فروعی اور جزوی مسئلہ ایسا نہیں چھوڑا جس کے بارے میں شریعت اسلامیہ کا ضابطہ اور تفصیلات نہ بتائی گئی ہوں نیز انھوں نے حیات انسانی کے جہاں دیگر پہلوؤں پر کماحقہ نسل انسانی کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہیں وہیں عائلی زندگی کے تمام جملہ احکامات وجزئیات کے بارے میں واضح ہدایات عطا کی ہیں۔ برعظیم پاک وہند میں مشترکہ معاشرت کے سبب بہت سے تہذیبی وتمدنی مسائل اور رسوم ورواج کا براہ راست اثر مسلمانان برعظیم پاک وہند پر بھی پڑا۔ انہی اثرات میں سے ایک اہم رسم جہیز ہے جو اس مشترکہ معاشرت کے نتیجے میں مسلمانوں میں داخل ہوگئی ہے۔ چونکہ یہ رسم مسلمانوں میں بہت بعد میں داخل ہوئی اس لئے قرآن واحادیث، متقدمین فقہاء وآئمہ کرام کے مصادر وعلمی ورثہ میں اس حوالے سے کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ اگر یہ رسم قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی معاشرت کا حصہ ہوتی تو ہمارے متقدمین کے علمی ورثہ میں جہاں نکاح کے دیگر متعلقات مثلاً: نکاح کے مقاصد، حکم، ولیمہ کی شرعی حیثیت، نان ونفقہ کے مسائل، حرمت مصاہرت، مہر، زوجین کے باہمی حقوق، طلاق، عدت وغیرہ کے حوالے سے کوئی پہلو تشنہ نہیں رہا وہیں جہیز کی تفصیلات وجزئیات کا بیان بھی ضرور ملتا۔ لہذا اس حوالے سے متقدمین کے ہاں اس حوالے سے تذکرہ موجود نہیں ہے۔ لیکن متاخرین فقہاء کرام نے جہیز کی شرعی حیثیت، اس کا حق ملکیت ودیگر جزئیات کا تفصیلا بیان کیا ہے۔ وہیں اس بارے میں بھی تفصیل سے بیان کردیا ہے کہ شوہر یا اس کے والدین کی جانب سے سامان جہیز میں کسی چیز کی زیادتی یا اضافہ کے بارے کہا جانا، یا جہیز کا سامان طلب کیا جانا کسی کا مال ناحق کھانے کی ضمن میں آتا ہے اور اس کا شمار سوال کرنے، بھیک مانگنے میں ہوتا ہے۔

قرآن وحدیث میں ایسی کوئی نص یعنی صراحت شدہ بیان یا حکم موجود نہیں ہے جس کی بنا پر اس کو ضروری قرار دیا جاسکتا ہے ہو بلکہ اس کے برعکس شریعت نے گھریلو ضروریات کی فراہمی مرد پر واجب قرار دی ہے جو نفقات واجبہ کے ذیل میں آتی ہیں۔ کیونکہ اول تو اس وجہ سے لڑکی کے والدین پر ایک غیر عقلی اور غیر فطری بوجھ ہے۔ اور دوسرے یہ کے اس غلط رواج کی وجہ سے غریبوں کی زندگی دوبھر ہوجاتی ہے۔ اس وجہ سے شریعت میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

جہیز کا مطالبہ کرنا مال ناحق کھانے کے ضمن میں آتا ہے:

جہیز کی حرمت پر قرآن وحدیث میں لفظا تو اگرچہ کوئی صراحت موجود نہیں ہے لیکن بعض آیات واحادیث میں ایسے اصول وکلیات بیان کیے گئے ہیں جن سے کسی کا مال ناحق کھانے اور سوال کرنے کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ جہیز کا مطالبہ کرنا اور اس میں کثرت کا تقاضا کرنا بھی دراصل دوسروں کے مال ناحق کھانے اور سوال کرنے ہی کے ضمن میں آتا

ہے۔ کیونکہ وہ ناحق (یعنی بلا معاوضہ) ہیں۔ اور شریعت میں بلا معاوضہ کوئی حق ثابت نہیں ہوتا۔ اسی اصول کی وضاحت قرآن کریم میں کچھ یوں کی گئی ہے۔

﴿وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (۲۸)

اور تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ۔

سورہ نساء میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ (۲۹)

''اے ایمان والوں آپس میں یک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ، مگر یہ کہ باہمی رضامندی سے کوئی تجارت ہو اور اپنے آپ کو قتل مت کرو۔ بے شک اللہ تم پر بہت مہربان ہے۔''

مال باطل کی جتنی بھی ممنوعہ صورتیں شریعت میں ہوسکتی ہیں وہ ان آیات مبارکہ میں آجاتی ہیں۔ اور ان میں جہیز کا مطالبہ بھی شامل ہے۔

امام قرطبیؒ مال کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: ''باطل سے مراد بغیر کسی حق کے۔'' (۳۰)

امام قرطبیؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''ہر معاوضہ تجارت ہے خواہ عوض جس طرح بھی پائے۔ مگر اس موقع پر باطل کہنے کی بنا پر ہر وہ عوض خارج ہوگیا جو شرعاً معاوضہ نہ بن سکتا ہو۔ جیسے سود یا عوض فاسد جیسے شراب اور خنزیر وغیرہ۔ اس قید (باطل کی) سے وہ جائز معاملہ بھی خارج ہوگیا جس میں عوض (فوری) پایا نہیں جاتا جیسے قرض، صدقہ اور ہبہ جو ثواب کی غرض سے نہ ہو۔ اور دوسرے دلائل کی بنا پر بغیر سوال کے بغیر وجوب کے (تبرعاً) کچھ دے دینا بھی جائز ہے۔ یہ (باطل کی) دو صورتیں ہیں جن پر سب کا اتفاق ہے۔ (۳۱)

جہیز کے مطالبہ پر اس تصریح کا مفہوم کامل طور پر صادق آتا ہے۔ کیونکہ وہ کسی عوض یا معاوضے کے بغیر ہوتا ہے۔ اور بعض صورتوں میں زبردستی وصول کیا جاتا ہے۔

علامہ زمخشریؒ لکھتے ہیں: یعنی اس طور پر کہ اللہ نے اسے حلال اور مشروع قرار نہ دیا ہو۔ (۳۲)

بغیر کسی حق (یا عوض کے) اس میں ایک دوسرے کا مال کھانے کی ممانعت آئی ہے۔ اور اس میں قمار، دھوکہ دہی، غصب، حقوق واجبہ کا انکار، وہ مال جسے مالک خوش دلی سے نہ دے رہا ہو، اور وہ مال جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہو اگرچہ مالک مال اسے خوش دلی ہی سے دے رہا ہو، جیسے۔۔۔۔ سب شامل ہیں۔ (۳۳)

اور ولا تقتلوا انفسکم (اپنے آپ کو قتل مت کرو) کے الفاظ اور مفہوم بہت ہی بلیغ اور معنی خیز ہے۔

یہاں پر قتل کے مجازی معنی ہیں ۔ یہ آیت کا واحد مفہوم نہیں ہے کیونکہ قرآنی آیات میں وسیع اور کلی مفہوم مقصود ہوتا ہے۔ یہاں مقصود ہر قسم کے باطل معاملات کا ابطال کرنا ہے کیونکہ ان کی رو سے معاشرتی فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ جہیز بھی انھی باطل معاملات میں سے ایک ہے کیونکہ اس کے ذریعے بھی بہت سے جانیں جا چکی ہیں۔

اسلامی شریعت نے لڑکی کے والدین پر یہ عائد نہیں کیا کہ وہ اپنے داماد کو شادی پر سامان مہیا کریں۔ لیکن اگر لڑکی کے والدین اور اسکے سرپرست اگر بخوشی کچھ دینا چاہیں تو حلال ہے لیکن مطالبہ کر کے یا انہیں مجبور کر کے کوئی چیز وصول کرنا جائز نہیں۔

اسلام نے کسی پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (۳۴)

''تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔''

عدم حرج کی طرح عدم تکلیف بھی شریعت اسلامیہ کا ایک اہم اصول ہے۔ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ ۔(۳۵) اللہ کسی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

ان اصولوں کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ جہیز کا مطالبہ کر کے ایک تو لڑکی کے والدین پر تنگی پیدا کرنا ہے اور دوسرا سامان جہیز میں اضافہ کا مطالبہ بھی ان کی استطاعت اور وسعت سے زیادہ طلب کرنا ہے جو مزاج نبوت اور شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے۔ جبکہ اسلام تو الدین النصیحۃ ہے۔ یعنی خیر خواہی کا دین ہے نیز نبی کریم ﷺ نے ایک دوسرے کے لئے آسانی پیدا کرنے کا حکم دیا ہے اور نفرت دلانے والی باتوں ممانعت کا حکم دیا ہے۔ حدیث مبارکہ ہے:

''یسروا ولاتعسروا بشروا و لا تنفروا.'' (۳۶)

''آسانی پیدا کرو اور تنگی پیدا نہ کرو خوشخبری سناؤ اور نفرت نہ دلاؤ۔''

جبکہ اس طرح کے تقاضوں میں دونوں خاندانوں میں زود رنجی اور تناؤ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو شادی کے بعد بھی جاری رہتی ہے بعض اوقات انھی مسائل کی وجہ سے نوبت طلاق تک بھی پہنچ جاتی ہے۔ جہیز جو والدین کی جانب سے ہدیہ تصور کیا جاتا ہے اس کے لئے لڑکے کے والدین اور خود اس کی جانب سے لڑکی کے والدین کو مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وہ ضرور دیں یا اس میں اس قدر اضافہ کیا جائے والدین اپنی اولاد کو اپنی رضامندی سے جو بھی دے دیں وہ جائز ہے اور اگر وہ ہدیہ نہ بھی دیں تو ان کو مجبور نہیں کیا جا سکتا حدیث مبارکہ میں اگرچہ ہدیہ دینے کی ترغیب دی گئی ہے لیکن اس کو فرض یا واجب کسی درجے میں نہیں رکھا گیا کہ نہ دینے پر کوئی گناہ ہوگا لہذا لڑکی کے سرپرست بخوشی جو چاہیں دیں وہ جائز ہے لیکن اس سلسلے میں انھیں مجبور کرنا اور تقاضے کرنا جائز نہیں۔

مردوں کی قوامیت کی اساس عورتوں کو نان ونفقہ کا ادا کرنا ہے:

سورہ نساء کی آیت (۳۴) الرجال قوامون کے حوالے سے ابن کثیر ؒ لکھتے ہیں:

"وبما انفقوامن اموالهم) ای من المهور والنفقات والكلف التی اوجبها الله عليهم لهن فی كتابه و سنته نبيه ﷺ . فالرجل افضل من المراة فی نفسه ، وله الفضل عليها والافضال، فناسب ان يكون قيماعليها كماقال الله تعالیٰ (وللرجال عليهن درجة." (۳۷)

علامہ ابن کثیرؒ کی اس طرح سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس میں مہر اور نفقہ کے علاوہ بھی ہر قسم کے اخراجات شامل ہو سکتے ہیں۔ جن کی ادائیگی کا حکم قرآن واحادیث نبوی ﷺ میں دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت سے جہیز کا مطالبہ کرنا غیر شرعی اور غیر اسلامی فعل ہے۔

مال کے اعتبار سے عورت کا مرد پر حق ہے۔ اور مرد کا عورت پر کسی طرح کا مالی مطالبہ شریعت میں ہرگز جائز نہیں۔ بیوی کا نفقہ (خرچ) اس کے شوہر پر لازم ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، جب کہ وہ اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کر کے اس کے گھر آجائے تو اس وقت شوہر پر بیوی کا خرچہ اس کی پوشاک، اور اس کے رہنے کہ جگہ فراہم کرنا واجب ہے۔ ظاہر ہے جب رہنے کا مکان بذمہ شوہر ہے تو اس گھر میں جن اسباب کی ضرورت ہوگی وہ بھی بذمہ شوہر ہی ہوں گے۔ جن اشیاء کو جہیز کہا جاتا ہے وہ بھی خاوند کے ذمہ ہیں۔

اسی طرح مذکورہ آیت میں بیوی کو جو ذمہ داریاں بیان ہوئی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) خود کو زنا سے محفوظ رکھے تا کہ اس سبب سے شوہر پر کوئی عار نہ ہو۔

(۲) شوہر کی غیر موجودگی میں اس کے مال کی حفاظت کرے۔

(۳) گھریلو معاملات بخوبی سنبھالے۔

نیز حدیث مبارکہ میں اس کی وضاحت ان الفاظ میں آئی ہے۔

خير النساء التی اذا نظرت اليها سرتک و اذا امرتها اطاعتک واذا غبت عنها حفظتک فی نفسها و مالک. (۳۸)

سب سے بہتر عورت وہ ہے جب تو اس کی طرف دیکھے تو خوش کر دے اور جب تو اسے کسی بات کا حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے اور جب تو اس کی نظر سے اوجھل ہو جائے تو وہ اپنے نفس اور تیرے مال کے بارے میں تیری حفاظت کرے۔ اس مذکورہ آیت اور حدیث میں کہیں لڑکی میں یہ معیار قرار نہیں دیا گیا کہ وہ سامان جہیز کی کثرت والی ہو۔ بلکہ شوہر کو ذمہ دار قرار دیا گیا ہے کہ وہ اس کی ضروریات کو پورا کرے۔

صاحب ھدایہ نے مرد کی ذمہ داریاں یوں بیان کی ہیں:

النفقة واجبة للزوجة على زوجها مسلمة كانت او كافرة اذا سلمت نفسها الیٰ منزله فعليه نفقتها و كسوتها وسكناها (۳۹)

حقیقت یہ ہے کہ جہیز کا مطالبہ نکاح کے مقاصد سے میل نہیں کھاتا بلکہ اس سے ان تمام صالح مقاصد کی نفی ہوتی ہے۔ جہیز کا مطالبہ کرنا دراصل گداگری کی ایک جدید اور مہذب صورت ہے جس سے بہت سی روحانی واخلاقی اقدار پر زد پڑتی ہے۔ گویا شادی جیسا مقصد فریضہ بھی کاروبار کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ رشتہ بجھوانے سے پہلے لڑکی کو والدین کی مالی حیثیت کا جائزہ لیا جاتا ہے اور وہاں پیغام دیا جاتا ہے جہاں سے زیادہ رشتہ ملنے کی امید ہو۔ اس طرح شادی کے موقع پر لڑکا اپنے سسرال سے آئندہ کئی سالوں میں کام آنے والے اسباب سمیٹ لیتا ہے۔ جو شاید وہ کئی برس محنت کر کے بھی بمشکل حاصل کر سکے۔

ڈاکٹر محمد شکیل اوج اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''اس سامان کو شادی کا لازمہ تصور کیا جاتا ہے۔ جو یہ سامان نہ دے یا نہ دے سکتا ہو تو وہاں شادی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ یہ سامان جہیز ایک طویل فہرست پر مشتمل ہوتا ہے، جو ضروریات، تحسینیات سے بڑھ کر تعیشات تک جا پہنچتا ہے۔ کہیں کہیں تو یہ سامان بالکل فرمائشی نوعیت کا ہوتا ہے وہاں بھی بالعموم فرمائشی جیسا ہوتا ہے اور اس اہتمام کو لڑکے والوں کی خاموش فرمائش تصور کر لیا جاتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر غریب خاندان کی لڑکیاں اس لعنت کی بھیٹ چڑھ جاتی ہیں اور متوسط گھرانے کی لڑکیاں سامان جہیز میں خوب سے خوب تر کی جستجو میں برباد ہو جاتی ہیں۔ جہیز کی طلب اور رسد نے نکاح جیسے ضروری، فطری اور پاکیزہ وحلال عمل کو پابہ زنجیر کر رکھا ہے۔''(۴۰)

جہیز۔۔۔مہذب گداگری:

جہیز کا تقاضا کرنا اور گداگری اختیار کرنے میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔ بھیک مانگنے میں لوگ بامر مجبوری ایسا کرتے ہیں اور جہیز کے معاملے میں فہمائش کی جاتی ہے، جب کہ اسلام میں سوال کرنے کی بہت سخت الفاظ میں مذمت کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں سے سوال کرے جب کہ اس کے پاس بقدر کفایت مال موجود ہو تو قیامت کے دن اس کے سوال کے سبب سے اس کا چہرہ چھلا ہوگا۔(۴۱)

جو شخص لوگوں سے مال محض اپنا مال بڑھانے کے لئے مانگتا رہتا ہے، وہ دراصل (جہنم کی) آگ مانگتا ہے، چاہے کم لے یا زیادہ۔(۴۲)

اسلامی شریعت میں سوال کرنا تب جائز ہوسکتا ہے جب کوئی شخص اس قدر محتاج ہو کہ اس کے پاس ایک وقت کا کھانا بھی موجود نہ ہو۔

حدیث مبارکہ ہے:

''جس شخص نے قدر حاجت موجود ہونے کے باوجود کوئی سوال کیا تو گویا اس نے جہنم کے پتھروں کو جمع

کرنے میں زیادتی کی۔صحابہ نے پوچھا کہ قدر حاجت سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نان شبینہ۔''(۴۳)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صدقہ مانگنا کسی مالدار شخص اور تندرست وتوانا آدمی کے لئے جائز نہیں۔(۴۴)

حدیث نبوی ﷺ ہے:

''سوال کرنا کسی مال دار اور تندرست شخص کے لئے حلال نہیں ہے ماسوائے اس شخص کے جو سخت محتاج یا بہت زیادہ مقروض ہو۔لیکن جو شخص اپنی دولت بڑھانے کے لئے سوال کرے گا تو قیامت کے دن اس کا سوال اس کے چہرے پر خراش کی صورت میں نمودار ہوگا اور دوزخ کے گرم پتھر اس کو کھائیں گے۔اب جس کا جی چاہے مال کو کم کرے(غریب بنے) یا زیادہ کرلے۔(بتکلف امیر بننے کی کوشش کرے۔''(۴۵)

ان تمام احادیث مبارکہ سے بقدر حاجت موجود ہونے کے باوجود سوال کرنے کی مذمت کی گئی ہے لہذا جو لوگ جہیز طلب کرتے ہیں یا جہیز میں زیادتی کا سوال کرتے ہیں وہ تمام اسی ضمن میں آتے ہیں۔کیونکہ حدیث مبارکہ کے مطابق مانگنا صرف تین صورتوں میں جائز ہوتا ہے۔ ایک صحابی جن کا نام قبیصہؓ بن مخارق بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بڑی رقم کا قرضدار ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپؐ سے سوال کیا۔آپ نے فرمایا کہ ذرا ٹھہر جاؤ۔اگر صدقہ (زکاۃ) کا مال آجائے تو ہم تمہیں کچھ دے دیں گے۔پھر آپؐ نے فرمایا کہ اے قبیصہ دیکھو سوال کرنا صرف تین آدمیوں کے لئے جائز ہوسکتا ہے: ایک وہ شخص جو(کسی کار خیر میں) قرضدار ہوجائے تو اس کے لئے سوال کرنا جائز ہے۔وہ اپنے قرض کی تلافی کے بعد رک جائے۔دوسرا شخص جس کا مال کسی آفت کی بنا پر ضائع ہوگیا ہو،تو اس کے لئے مانگنا جائز ہے یہاں تک کہ اس کی معیشت درست ہوجائے۔تیسرا وہ شخص جو فاقہ کشی کررہا ہو اور اس کی قوم کے تین صاحب عقل لوگ اس کی فاقہ کشی کی گواہی دیں۔تو اس کے لئے بھی مانگنا درست ہے یہاں تک کہ اس کی حالت درست ہوجائے۔تو اے قبیصہ ان تین آدمیوں کے ماسوا سوال کرنا حرم ہے۔اور سوال کرنے والا حرام کھاتا ہے۔(۴۶)

یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے ان اقسام کے علاوہ جو بھی کسی قسم کا سوال کرے گا وہ حرام کا سوال کرے گا۔خواہ وہ جہیز کا مطالبہ ہو یا کسی اور نوعیت کا سوال ہو۔کیونکہ شریعت اسلامیہ میں انسانی مصالحہ کا لحاظ کرکے انفرادی واجتماعی دونوں حیثیت سے انسانی کو درپیش تمام مسائل وضروریات کا خیال رکھا گیا ہے۔جو بھی چیزیں انسانی تمدن کے لئے عقلی اور فطری اعتبار سے مضر ہوسکتی ہیں شرعی اعتبار سے بھی وہ مفاسد کا باعث ہوں گی۔اس لئے ضرورت اس امر کی ہے علماء کرام ان مسائل سے عوام الناس کو آگاہی دیں اور ان سماجی برائیوں کے خاتمے کے لئے افراد کو تیار کریں یقیناً یہ فریضہ ادا کرنا بھی جہاد ہی کے ضمن میں شمار ہوگا۔

امام ابن حزمؒ لکھتے ہیں:

"و لا یجوز ان تجبر المرء ة علی ان تتجهز الیه بشیئی اصلا لا من صداقها الذی اصدقها ولا من غیره من سائر مالها و الصداق کله لها تفعل فیه کله ما شاء ت لا اذن للزوج فی ذالک ولا اعتراض و هو قول ابی حنیفة و الشافعی ابی سلیمان و غیرهم."(۴۷)

عورت کو اس بات پر مجبور کرنا جائز نہیں کہ وہ خاوند کے پاس سامان جہیز لائے نہ ہی اس مہر کی رقم سے جو خاوند نے اسے دی ہے اور نہ ہی اس کے دوسرے اپنے مال سے۔ مہر سارے کا سارا اس کی ملکیت ہے اس میں وہ جو چاہے کرے۔ خاوند کو اس میں کسی قسم کا دخل دینے کا حق نہیں یہ قول امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور ابی سلیمان وغیرہ کا ہے۔

عبدالرحمٰن الجزیریؒ اپنی کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ میں لکھتے ہیں:

"فاذا تزوجها علی الف جنیه مهرا و کانت العادة ان مثل هذا المهر یقابل بجهاز کبیر یلیق بحالهما و لکنها لم تفعل فانه لاحق للزوج فی مطالبتها بالجهاز.....فانه یجب علی الرجل ان یعد للمراء ة محلا یشتمل علی حاجیات المعیشة."(۴۸)

"اگر کوئی آدمی ایک ہزار مہر پر کسی عورت سے نکاح کرے اور عادت یہ ہو کی اتنا مہر ایک بڑے جہیز کے مقابلے میں ہوتا ہو مگر وہ عورت ایسا نہ کرے یعنی جہیز نہ لائے تو خاوند کو اس بات کا حق نہیں کہ وہ عورت سے جہیز لانے کا مطالبہ کرے۔ کیونکہ شوہر پر واجب ہے کہ وہ عورت کے لئے ایسی رہائش کی جگہ تیار کرے جو ضروریات زندگی پر مشتمل ہو۔"

الاحکام الشرعیہ میں اس حوالے سے بیان ہے:

" لیس المال بمقصود فی النکاح فلا تجبر المرء اة علی تجهیز نفسها من مهرها ولا من غیره ولا یجبر ابوها علی تجهیزها من ماله فلو زفت بجهاز قلیل لا یلیق بالمهر الذی دفعه الزوج او بلا جهاز اصلا فلیس له مطالبتها فلا مطالبة ابیها بشی منه و لا تنقیص شئ من مقدار المهر الذی تراضیا علیه." (۴۹)

نکاح میں مال مقصود نہیں لہذا، عورت کو اپنے مہر کی رقم یا کسی دوسری رقم سے اپنے لئے سامان جہیز لانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس کے والد کو مجبور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی گرہ سے جہیز دے۔ اگر عورت اتنا کم جہیز لائے کہ وہ اس مقدار کے شایان شان نہ ہو تو خاوند اس بات کا مجاز نہیں کہ وہ اس سے یا اس کے والد سے جہیز میں سے کسی چیز کا مطالبہ کرے اور نہ ہی اسے یہ حق ہے کہ وہ اس مہر کو کم کرے جس پر فریقین (میاں، بیوی) راضی ہو چکے ہوں۔

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

" الصحیح انه لا یرجع علی اب المراء ة بشیء لان المال فی النکاح غیر مقصود." (۵۰)

صحیح یہ ہے کہ خاوند بیوی کے باپ سے کسی شے کا مطالبہ نہ کرے کیونکہ مال نکاح میں مقصود نہیں ہے۔

جواہر الفقہ میں مفتی شفیع صاحب بیان کرتے ہیں: نکاح میں عورت سے کوئی شے جبرا یا رسما وصول کرنا مرد کے لیے جائز نہیں اگر لے لیا ہو تو لڑکی یا لڑکی کے ولی کو جائز ہے کہ واپس طلب کر لے۔(۵۱)

قرآن وسنت اور کتب فقہ میں ازدواجی زندگی کی پوری تفصیلات موجود ہیں قرآن اور صاحب قرآن نے معاشرے میں ان کی عملی تفسیر فرمائی۔ عہد نبوی اور پھر خلفائے راشدین کے زمانے میں ازدواجی زندگی سے متعلق مختلف مسائل سامنے آئے اور ہر پیش آمدہ مسئلے کا حل بتا دیا گیا مثلا جائز ناجائز رشتے، نکاح، طلاق، ایلاء، لعان، خلع، مفقود الخبر، حلالہ، مہر دعوت، حضانت، رضاعت، تجدید نکاح، عقد ثانی، نان ونفقہ، وغیرہ۔ ان تمام مسائل میں جو چیز نظر نہیں آتی وہ مسئلہ جہیز ہے۔ پھر یہ کہ قرون اولیٰ کی شادیوں میں اس کا کہیں وجود نظر نہیں آتا۔(۵۲)

جہیز، زیورات، کپڑے، فرنیچر، اثاث البیت ظواہر معیشت ہیں۔ اسلام میں معاشی مساوات تو نہیں مگر ظواہر معیشت اور ظاہری بود وباش میں مساوات ضروری ہے۔ اجنبی آدمی کو صحابہ کو مجلس میں بیٹھے ہوئے نبی اکرم ﷺ کے متعلق دریافت کرنا پڑتا تھا کہ تم میں نبی کون ہے؟ ایک صحابی نے اپنے مکان پر بالا خانہ بنوایا تو اس صحابی سے آپ ﷺ نے اعراض فرمالیا۔

یہی حال خلفاء راشدینؓ کا تھا۔ قیصر وکسریٰ کے خزانے موجود ہونے کے باوجود خلیفۃ المسلمین اور دیگر عام آدمیوں میں کوئی ظاہری اور نمایاں فرق نہ تھا۔ کوفہ وبصرہ کے شہر آباد کیے گئے تو ہدایت دی گئی کی تین کمروں سے زیادہ کمروں والا مکان نہ بنایا جائے۔ لہذا ظواہر معیشت میں مساوات قائم رکھنے کی ضروری ہے کی سامان جہیز ہی نہیں بلکہ تقریب نکاح کی تمام جزئیات اور رسوم کی ادائیگی میں بھی میانہ روی کو رواج دیا جائے اور لوگوں کے سامنے زیب وزینت اور دکھلاوے سے بچا جائے۔ ایک ایسا رجحان جس میں نہ تو کوئی معاشرتی مصلحت ہے اور نہ کوئی سماجی مجبوری پائی جاتی ہے، اس کو اس طریقے سے معاشرے کا حصہ بنا دینا کہ اس سے چھٹکارا ممکن نہ رہے بلکہ روز بروز اس رسم کی قباحتیں معاشرے کو گھن کی طرح کھانے لگ جائیں، ایسی رسم کو فروغ دینا حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ اس مقصد کے لئے قوم میں شعور اور آگہی پیدا کرنا ضروری ہے۔(۵۳)

احمد عبدالرحمٰن البنا الساعاتی اپنی کتاب بلوغ الامانی شرح فتح الربانی لترتیب مسند احمد میں جہیز کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وقد اسرف الناس فی زمانتا فیما لاحاجة الیه من امر الجهاز بقصد التفا خرو المباهاة حتیٰ ان الفقیر لبیع امتعه بیته و یستند ین لیجهز انبته وهذا احرام فعله(۵۴)

''ہمارے زمانے کے لوگ جہیز کے معاملے میں ایسے اسراف اور فضول خرچی میں پڑ گئے ہیں جس کی کوئی ضرورت نہیں اور مقصد صرف اپنی بڑائی ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ فقیر اور غریب آدمی اپنی بیٹی کو جہیز دینے کے

لئے اپنے گھر کا سامان بیچنے تک کو پہنچ جاتا ہے۔قرض کا بار اٹھاتا ہے۔حالانکہ اس کا یہ فعل حرام ہے۔''

ہمارے معاشرے میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ لوگ وٹے سٹے کی شادی کرتے ہیں ان میں سے بعض لوگ اپنی بیٹی کو جو سامان دیتے ہیں تو دوسرے سے بھی کہتے ہیں کہ اپنی بیٹی کو برابر سامان دیں اور ویسا سامان دیں۔جبکہ ایسا کرنا درست نہیں ہے۔

لہذا جس قدر ہم نے فضول رسومات کی پیروی کرنی شروع کر دی ہے نکاح اتنا ہی مشکل ہوتا جا رہا ہے۔اور اسی کا نتیجہ ہے کہ نکاحوں میں بے برکتی ہو رہی ہے۔بیاہ شادی کی خرافات اور رسموں میں اسراف بہت زیادہ کیا جاتا ہے۔

جہیز کی جو رسم ہمارے معاشرے میں آئی ہے وہ خالصتاً ہندوانہ ہے، شریعت نے نکاح کے باب میں اخراجات کی تمام ذمہ داری مردوں پر رکھی ہے۔اور اسی کو ازدواجی مسائل میں مردوں کی قوامیت کی اساس قرار دیا ہے۔اس لئے مہر، نفقہ، لباس و پوشاک، دوا، علاج اور دوسری ضروریات ولیمہ، مہر نیز بچوں کی کفالت ساری ذمہ داری مردوں کے سر رکھی ہے۔اس لئے کتب فقہ میں یہ مسئلہ تو ملتا ہے کہ لڑکی کے اولیاء لڑکوں سے نکاح کے موقع پر جوزا در قم کا مطالبہ کرتے ہیں وہ جائز ہے یا نہیں؟

وہ رشوت کے حکم میں ہے یا نہیں؟ لیکن لڑکوں کی طرف سے جہیز، گھوڑا یا در پلنگ کا مطالبہ جائز ہے یا نہیں؟ غالبا اس کا ذکر نہیں ملتا کہ فقہا کی نگاہ میں مردوں کی طرف سے ایسی بے شرمی اور مقام مردانہ کے خلاف دریوزہ گری کا تصور تک نہیں تھا۔(۵۵)

والدین کا جہیز دینا درجہ مباح میں ہے:

مقالے میں مذکور آیات قرآنیہ، احادیث رسول ﷺ اور آئمہ وفقہا کرامؒ کے استدلات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شادی پر لڑکی کے والدین کا جہیز دینے کو کوئی حکم نہیں ہے۔ نہ ہی یہ سنت نبوی ﷺ ہے اور نہ ہی لازمہ نکاح۔اثاث البیت مہیا کرنا بذمہ شوہر ہے۔نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو دیا جانے والا سامان بھی مہر کی رقم سے خریدا تھا حتیٰ کے آپؐ کے لیے خوشبو بھی اسی مہر کی رقم سے مہیا کی گئی۔آپ ﷺ کا یہ تمام طرز عمل تعلیم امت کے لئے تھا ورنہ آپ ﷺ خاتون جنت کو دونوں جہانوں کی نعمتیں عطا فرما سکتے تھے۔

ان تمام تعلیمات کے باوجود یہ باطل رسومات ہمارے معاشرے میں زہر قاتل کی طرح سرایت کر چکی ہیں جو ہر روز نہ جانے کتنی جوان بچیوں کے جذبات واحساسات کا قتل کرتی ہیں اور بہت سے بچیاں ان گنت خواب سجائے بڑھاپے کی دہلیز پار کر جاتی ہیں اور بعض تو اس لاحاصل انتظار سے تنگ آ کر اپنی زندگی۔کا خاتمہ کر لیتی ہیں۔جبکہ فطری طور پر ہر باپ چاہتا ہے کہ وہ زندگی کے اس اہم موقع پر اپنی لخت جگر کو کوئی نہ کوئی ہدیہ یا تحفہ ضرور دے لیکن اس کو حضرت فاطمہؓ کی ذات اقدس سے منسوب کر کے جو مذہبی تقدس دیا جاتا ہے اس مذہبی تقدس کی آڑ میں جو نمود و نمائش، تفاخر، احساس

برتری کا جو کھیل کھیلا جاتا ہے۔وہ ہر حال میں خلاف شرع ہے۔ورنہ اگر اس اہم موقع پر اگر والدین تھوڑا بہت تحفہ اپنی بیٹی کو عطا کر دیتے ہیں تو اس کی حیثیت درجہ مباح کی ہے۔

شادی کے اخراجات:

مولانا اشرف علی تھانوی اخراجات میں درجے قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تمام اخراجات اور سامانوں میں اختصار کرو۔یعنی قدر ضرورت پر اکتفا کرو۔پھر ضرورت کے بھی درجے ہیں۔ایک یہ کہ جس کے بغیر کام نہ چل سکے۔یہ مباح بلکہ واجب ہے۔دوسرے یہ کہ ایک چیز کے بغیر کام تو چل سکتا ہے مگر اس کے ہونے سے راحت ملتی ہے۔اگر نہ ہو تو تکلیف ہوگی گو کام چل جائے گا مگر دقت سے چلے گا۔ایسے سامان رکھنے کی بھی اجازت ہے۔ایک سامان اس قسم کا ہے کہ جس پر کوئی کام نہیں اٹکتا نہ اس کے بغیر تکلیف ہوگی مگر اس کے ہونے سے اپنا دل خوش ہونا گا تو اپنا جی خوش کرنے کے واسطے بھی کسی سامان کے رکھنے میں بشرط وسعت مضائقہ نہیں، یہ بھی جائز ہے۔

ایک یہ کہ دوسروں کو دکھانے اور ان کی نظر میں بڑا بننے کیلئے کچھ سامان رکھا جائے، یہ حرام ہے۔

اور ضرورت اور غیر ضرورت کے یہ درجے ہر چیز میں ہیں مکان میں بھی نادر برتنوں میں بھی۔ہر چیز کی ضرورت کا معیار یہ ہے کہ جس کے بغیر تکلیف ہو ضروری ہے۔اور جس کے بغیر تکلیف نہ ہو وہ غیر ضروری ہے۔اب اگر اس میں اپنا جی خوش کرنے کی نیت ہو۔تو مباح ہے۔اس معیار کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔(۵۶)

مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

> ''اب جس طور سے اس کا رواج ہے اس میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ اب ھدیہ مقصود رہا نہ صلہ رحمی بلکہ ناموری اور شہرت اور رسم کی پابندی کی نیت سے کیا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ بری اور جہیز دونوں کا اعلان ہوتا ہے معین اشیاء ہوتی ہیں۔۔۔۔۔۔اگر صلہ رحمی مقصود ہوتی تو کیف ما اتفق جو میسر آتا بطور سلوک کے دیدیتے۔اسی طرح ھدیہ وصلہ رحمی کے لیے کوئی شخص کو قرض کا بار نہ اٹھاتا لیکن ان دونوں رسموں کو پورا کرنے کے لیے اکثر اوقات مقروض بھی ہوتے ہیں گو سود ہی دینا پڑے اور گو باغ فروخت یا گروی ہو جائے۔پس اس میں التزام مالم یلتزم، نمائش، شہرت، اور اسراف وغیرہ سب خرابیاں موجود ہیں اس لیے یہ بھی بطریقہ متعارف (مروجہ طریقہ سے) ممنوعات کی فہرست میں داخل ہو گیا۔''(۵۷)

عورتیں رسوم کی بہت زیادہ پابند ہیں۔خاص طور پر شادی بیاہ کے کاموں میں۔مثلاً کسی گھر میں شادی ہوئی تو قیمتی لباس کیہ فرمائش شروع ہوتی ہے۔جب یہ فرمائش پور ہوتی ہے تو پھر جہیز میں دینے کو ۲۰، ۲۵ جوڑے چاہیں۔پھر

زیورات، کپڑے، جوتے اور دیگر بہت سا سامان تعیش درکار ہوتا ہے۔ جس کے لئے لاکھوں روپیہ قرض لیا جاتا ہے۔ غرض یہ کہ سب کچھ درکھلاوے، اور جھوٹی شان وشوکت کے نام پر کیا جاتا ہے۔

بعض حالات میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ جہیز کا تقاضا لڑکے والوں کی طرف سے نہیں کیا جاتا لڑکی کے والدین خود ہے نمود ونمائش کیلیے استعداد سے بڑھ کر جہیز دیتے ہیں۔اور یہ دوسروں کے لئے ترغیب کا باعث بنتا ہے۔یہیک دیکھ کر دیگر اعزوا قارب بھی ایسی ہی روش اپناتے ہیں اگر غور کیا جائے تو یہی مفاسد کی جڑ ہے جس کی مناسب انداز میں بیخ کنی کی جانی چاہیے۔اگر ہر آدمی اپنی بساط اور استعداد کے مطابق بے مانگے اپنی خوشی سے اپنی بیٹی کو کچھ سامان دے دے تو معاشرے میں اس قدر بگاڑ اور فساد پیدا نہ ہو جس قدر آج کل ہو چکا ہے اس سلسلے میں ارباب حل وعقد اگر کچھ سامان متعین کرلیں جو ہر امیر وغریب مہیا کر سکے تو یہ سب سے بہتر ہوگا۔مگر صد حیف ہے کہ ہم اس قدر مادہ پرست ہو چکے ہیں کہ ایسی کوئی صدا ہمارے کانوں تک نہیں پہنچتی جس میں سادہ طرز عمل اور نکاح کو سنت کے مطابق کرنے کی ترغیب دی گئی ہو۔

رسوم ورواج کا اثر طرز معاشرت اور تہذیب وشائستگی پر پڑتا ہے۔بہت سی رسمیں ایسی ہیں جو قومی ترقی میں حائل ہوتی ہیں۔معاشی حالات کو بگاڑتی ہیں اور کردار واخلاق پر بھی برے اثرات ڈالتی ہیں جب تک فضول رسم ورواج کو ختم نہ کیا جائے معاشرتی اصلاح وترقی کے مقاصد میں کامیابی نہیں ہوسکتی۔مثلا شادی بیاہ اور دوسری تقریبوں میں جو رسمیں پوری کی جاتی ہیں بعض اوقات ان کا نتیجہ معاشی تباہی کی شکل میں نکلتا ہے بڑے بڑے لوگ ان رسموں کے پیچھے دولت لٹا کر مقروض و پریشان حال بن جاتے ہیں۔جائیدادیں رہن رکھ دیتے ہیں۔اثاثہ بک جاتا ہے۔اور معاشی حالت خراب ہو جاتی ہے یہ عزت کا غلط تصور ہے کی اگر میں بیٹی کی شادی دھوم دھڑکے سے کروں گا اور بہت سا جہیز اور زیور دوں گا تو برادری میں میرا نام ہوگا، دولت لٹا کر عزت حاصل نہیں ہوتی اصل عزت سیرت وکردار اعلیٰ اخلاق واعمال سے ملتی ہے۔(۵۸)

شادی بیاہ کے اخراجات کی دو نوعیتیں ہیں ایک وہ جو سنت ہیں اور جن کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔دوسری وہ جو عرف ہیں اور جن سے کسی قسم کی بھلائی نہیں پھیلتی بلکہ اس کے برعکس وہ بہت سے مفاسد کا باعث بنتی ہیں اور پھر معاشرے میں انتشار، مادیت پسندی، ریاکاری، حسد، حرص وہوس، افراط، واسراف وتبذیر وغیرہ جیسی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔لہذا نبی کریم ﷺ نے ایسی تعلیمات دیں جن سے افراد معاشرہ کا تزکیہ وتربیت ہو سکے اور وہ ان خرافات سے کنارہ کش رہ کر اپنی زندگیاں قرآن وسنت کی تعلیمات اور صحابہ کرامؓ کی حیات طیبہ کے زریں اسوہ اپنا کر بسر کریں۔

شادی کے موقع پر دلہن کی زیب وزینت کی چیزیں عطا کرنا، اسکے لئے لباس اور دیگر ضروری سامان مہیا کرنا، جس گھر میں وہ رخصت ہو کر جارہی ہے وہاں ضروری گھریلو سامان فراہم کرنا، شادی کے موقع پر حسب توفیق مٹھائی وغیرہ کا بندوبست کرنا اور ولیمہ کرنا یہ وہ تمام اخراجات ہیں جن کو مستحسن ہیں۔لیکن فی زمانہ ان میں جو افراط اور اسراف وتبذیر کا رویہ

ہے وہ جائز نہیں۔ کیونکہ یہ بہت سے معاشرتی مفاسد کا باعث ہے۔ جس سے معاشرے کا فلاحی تصور متاثر ہوتا ہے۔

جب تک اسلام عرب کی سرزمین تک محدود رہا۔ اس وقت تک مسلمانوں کا معاشرہ اور ان کا طرز زندگی بالکل ہی سیدھا سادہ اور ہر قسم کی رسومات اور بدعات وخرافات سے پاک صاف رہا۔

لیکن جب اسلام حدود عرب سے باہر نکلا تو دیگر اقوام کے ساتھ میل جول اور ان کے ماحول کے اثرات مسلمانوں کے سادہ طرز زندگی پر بھی پڑے۔ جو سادگی اسلامی معاشرے کا خاصہ تھی اس میں بہت حد تک تبدیلیاں رونما ہوئیں اور بہت سے عجمی رسوم ورواج اسلامی معاشرے میں شامل ہو گئے مسلمان رسوم ورواج کی بلاؤں میں گرفتار ہو کر خیر القرون کی سیدھی سادھی اسلامی طرز زندگی سے بہت دور ہو گئے چنانچہ خوشی، غمی، پیدائش وموت، ختنہ، شادی، بیاہ وغیرہ مسلمانوں کی تمام تقریبات بلکہ مسلمانوں کی زندگی وموت کے ہر مرحلہ اور ہر موڑ پر قسم قسم کی رسموں کی فوج کا اس طرح عمل دخل ہو گیا ہے کہ مسلمان اپنی تقریبات کو باپ داداؤں کی ان روایتی رسموں سے الگ کر ہی نہیں سکتے۔

رسوم کی بنیاد عرف پر ہے۔ یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ شرعاً واجب یا سنت یا مستحب ہیں۔ لہذا جب تک کسی رسم کی ممانعت شریعت سے ثابت نہ ہو اس وقت تک اسے حرام و ناجائز نہیں کہہ سکتے۔ لیکن بعض اوقات رسوم کی پابندی اس حد تک کی جاتی ہے کہ ناجائز فعل کرنا پڑے تو پڑے مگر رسموں کا چھوڑنا گوارا نہیں۔ شادی بیاہ کی رسومات اور ان پر ہونے والے اخراجات بھی اسی نوعیت کے ہیں۔ ان میں کپڑوں، تزئین وآرائش، چراغاں، میوزک شو وغیرہ پر لاکھوں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ نمود ونمائش اور معاشرے میں جھوٹی شان وشوکت کے نام پر سود پر رقم لے کر بھی ان رسومات کو پورا کرنا فرض اولین سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا کرنا شرعاً حرام ہے۔ یہ تمام چیزیں فی زمانہ شادی کا اصل واصول قرار پائیں ہوئیں ہیں جبکہ نکاح کے مقاصد، اس میں تیسیر اب قصہ پارینہ بن چکے ہیں۔ اسی وجہ سے شادی کے بعد زوجین کی زندگی سے مودت ومحبت، اخلاص و وفا شعاری، سکون واطمینان رخصت ہو چکا ہے۔

مشاہدے میں آیا ہے کی اکثر اوقات انہی رسوم ورواج، اخراجات کی وجہ سے شادی کے ایام میں اور بعض مرتبہ بعد میں بھی دونوں خاندانوں میں زود رنجی واقع ہوتی ہے۔ اور شادی کے بعد یہ تناؤ طعن وتشنیع کی صورت اختیار کرتا ہے اور یہی تناؤ بعد ازاں علیحدگی کا باعث بھی بن جاتا ہے۔ شادی جو ایک خوشگوار زندگی گزارنے کے لئے کی جاتی ہے ان اخراجات اور رسوم ورواج کی وجہ سے وہ ایک برا تجربہ بن جاتا ہے۔

جبکہ حدیث مبارکہ ہے:

"اعظم النكاح بركة ايسره موئنة."

یعنی سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں مشقت کم سے کم ہو۔ زیادہ مشقت نہ اٹھائی جائے، بلکہ

سادگی کے ساتھ، بغیر کس تکلیف کرلیا گیا ہو۔ ایسے نکاح میں اللہ تعالیٰ زیادہ برکت عطا فرماتا ہے۔ لیکن ہم نے نکاح کو جتنا وہ آسان تھا اتنا ہی مشکل بنادیا ہے۔ آج نکاح کرنا ایک عذاب ہے سالوں اور مہینوں پہلے سے جب تک اس کی تیاری نہ کی جائے، اور اس پر لاکھوں روپیہ خرچ نہ کیا جائے، اس وقت تک نکاح نہیں ہوسکتا۔ جبکہ عہد نبویؐ میں نکاح انتہائی سادگی سے ہوتا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف جو کہ نبی کریم ﷺ کے دور کے رشتہ دار بھی تھے اور مہاجر صحابیؓ ہیں۔ نیز ان کا شمار عشرہ مبشرہ میں بھی ہوتا ہے ان نے نکاح کا ذکر روایت میں اس طرح آیا ہے کی ایک دن وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ نے ان کی قمیض پر ایک زرد نشان دیکھا تو دریافت فرمایا کی یہ نشان کیسا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے نکاح کیا ہے۔ نکاح کی وجہ سے خشبو لگائی تھی یہ اس کا نشان ہے۔ آپؐ نے ان کو دعا دیتے ہوئے فرمایا: بارک اللہ لک وعلیک، اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے۔ پھر فرمایا: اولم ولو بشاۃ۔ ولیمہ کرلینا۔ چاہے ایک بکری کے ذریعے ہو۔(۵۹)

اس حدیث مبارکہ سے دو نکات نکلتے ہیں:

۱۔ نکاح اس قدر سادگی سے کیا گیا کہ خود نبی کریم ﷺ کو بھی مدعو نہیں کیا گیا۔ اور جب آپ ﷺ کو دریافت فرمانے پر معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے شکایت نہیں کی کہ مجھے مدعو نہیں کیا بلکہ دعا دی۔

۲۔ ولیمہ کا حکم دیا۔ چاہے کم کی ہی اسطاعت ہو۔

جبکہ موجودہ زمانے میں ہم میں سے اکثریت اگر اپنے عزیزہ رشتہ داروں کو مدعو نہ کرے تو انہیں کس قدر شکایات ہوں گی۔ اور اس کی سادگی اختیار کرنے کو بھی طنز و تشنیع کا نشانہ بنایا جائے گا۔ ہمارے معاشرے میں نکاح سے زیادہ رسم حنا کو اہمیت دی جاتی ہے اور اس پر سب سے زیادہ اخراجات کیے جاتے ہیں۔

جبکہ کھانے پینے کی طرح ازدواجی زندگی بھی فطرت انسانی کا ایک خاصہ ہے اگر اس کا حصول آسان طریقے سے نہیں ہوتا تو پھر وہ ترقی تمدن کی راہ میں نہ صرف مانع ہو جاتا ہے بلکہ فساد تمدن کا بھی باعث بن جاتا ہے لہذا انسانی سعادت اور تمدن و معاشرت کی ترقی اسراف اور بے جا پابندیوں میں نہیں بلکہ سادگی اور آسانیوں میں ہے۔ اسی وجہ سے رحمت عالمؐ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح انتہائی سادگی کے ساتھ کر کے پوری دنیا کے لئے ایک نمونہ اور مثال قائم کی ہے تا کہ ایک غریب سے غریب آدمی بھی اپنی لڑکی کی شادی بغیر کسی مشقت کے کر سکے اس اعتبار سے یہ سنت رسولؐ ہر امیر و غریب کے لئے ایک رحمت ہے۔(۶۰)

سیرت طیبہؐ سے بکثرت ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے سادگی سے نکاح کرنے کا پتہ چلتا ہے۔ نیز ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کی اللہ تعالیٰ نے نکاح کو انتہائی آسان بنایا ہے، اور صحابہ کرامؓ نے بھی اس کو انتہائی سادہ رکھا ہے۔ کہ فلاں

فلاں افراد نہ ہوں گے تو شادی نہ ہوگی یا فلاں فلاں رسومات اگر ادا نہ کیں گئیں تو شادی ادھوری رہے گی۔لہذا جہیز اور شادی کے اخراجات حقیقتاً انظام فطرت کو بگاڑنے اور خدائی قانون وشریعت میں رخنے ڈالنے والی ہیں لہذا ان سے اجتناب ضروری ہے۔

دعوت ولیمہ کا حکم:

احادیث میں دعوت ولیمہ کی خاص تاکید پائی جاتی ہے۔اوراس تقریب کا اہتمام کرنے کا حکم دیا ہے۔خود ذات بابرکت نے بھی یہی دعوت دی ہے،اورلوگوں کو ولیمہ کا کھانا کھلایا ہے۔حضرت زینب بنت جحشؓ سے جب آپ نے عقد کیا بکری ذبح کی گئی اوراس کے گوشت سے رسول پاک ﷺ نے صحابہ کی دعوت ولیمہ کی۔(۶۱)

حضرت صفیہؓ سے شادی کی تو حیس پکوایا(۶۲)،اورلوگوں کو کھلایا،حیس ایک خاص طرح کا عربی کھانا ہوتا ہے جو کھجور، پنیر،اور گھی ملا کر بنتا ہے۔حتیٰ کہ بعض ازواج مطہرات میں اور کچھ فراہم نہ ہوسکا تو دو مد جو سے دعوت کی۔(۶۳) صحابہ کرامؓ کو بھی دعوت ولیمہ کی تاکید فرمائی۔

بعض لوگوں نے اسی وجہ سے کہا کہ دعوت ولیمہ واجب ہے،مگر صحیح یہ ہے کہ سنت ہے یا مستحب ہے،جس کو جتنا میسر ہو، کچھ لوگوں کو بھی کھلانے کی سعی کرے، یہ منشا ہرگز نہیں ہے کی قرض لے کر اور سود ادا کر کے روپیہ ملے تو بھی ضرور لے اور دعوت ولیمہ کرے۔(۶۴)

نبی کریم ﷺ نے ایک جانب دعوت ولیمہ کا حکم دیا اور دوسری جان اس بات کا حکم دیا کہ جن افراد کو دعوت ولیمہ پر مدعو کیا جائے وہ دعوت کو قبول کریں۔اور تقریب ولیمہ میں شریک ہوں۔آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اذا دعیٰ احدکم الی ولیمة عرس فلیجب.(۶۵)

''شادی میں جب کسی کو دعوت ولیمہ دی جائے تو اس کو قبول کرنا چاہیے۔''

مفلسوں کو بھی مدعو کیا جائے:

دعوت ولیمہ ایسی نہ ہو کہ جس میں صرف مالداروں کو مدعو کیا جائے اور مفلسوں کو فراموش کر دیا جائے۔آپؐ نے تاکید فرمائی کی اس میں امیر وغریب کو بلا امتیاز مدعو کیا جائے۔

فرمان نبوی ﷺ ہے:

'' شر الطعام طعام الولیمة تدعیٰ الاغنیاء و یترک الفقراء.''(۶۶)

''بدترین کھانا،ولیمہ کا وہ کھانا ہے جس میں مالداروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔''

ان احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ولیمہ منعقد کیا جائے اور ہر شخص اپنی توفیق کے مطابق یہ دعوت کرے۔امیر وغریب کو بلا امتیاز اس میں مدعو کیا نہ کہ ہمارے کی طرح۔کہ جس میں صرف ان اقارب واحباب کو مدعو کرتے ہیں جو صاحب ثروت ہوتے ہیں اور ہمیں ان سے ہدایا زیادہ ملنے کی توقع ہوتی ہے۔

حاصل کلام:

مولانا تقی عثمانی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> آج ہم نے نکاح کو مشکل بنادیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب حلال کے دروازے بند کر دیے تو حرام کے دروازے کھل رہے ہیں، آج اگر حلال کا راستہ کوئی شخص اختیار کرنا چاہے تو اس کے راستے میں پابندیاں اور رکاوٹیں ہیں اور جب تک لاکھوں روپیہ نہ ہو۔وہ حلال راستہ اختیار نہیں کرسکتا، جس کا نتیجہ یہ ہے کی لوگ حرام کی طرف جارہے ہیں، اور اس کے دروازے چوپٹ کھلے ہیں۔اس کے ذریعہ معاشرے میں فساد پھیل رہا ہے۔(۶۷)

امت مسلمہ کی حیثیت اس دنیا میں تماشہ گر کی سی ہرگز نہیں ہے بلکہ اسے اصلاح عالم کا فریضہ سونپا گیا ہے لہذا اسے فوری طور پر میدان عمل میں کودنا چاہیے جب اللہ کے کچھ صالح بندے اصلاح معاشرہ کے لیے اٹھ کھڑے ہو جائیں تو پھر انشاء اللہ آسانیاں خود بخود پیدا ہو جائیں گی اور ایک نئی قیادت ابھرنے لگے گی۔واقعہ یہ ہے کہ آج اصلاح امت اور اصلاح معاشرہ کے لئے ایک نئے خون اور ایک نئی قیادت کی اشد ضرورت ہے۔(۶۸)

یہ بات عقلی وشرعی دونوں حیثیتوں سے بعید ہے کی کوئی شخص اپنی لڑکی یا لڑکے کی شادی کے لئے اپنا گھر بار فروخت کردے یا بھاری سودی قرضہ لے کر اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے رہن رکھ دے یہ زندگی نہیں موت ہے اور آج کل موت کے سوداگروں کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ اپنی ایک دن کی سلطانی کے لئے دوسروں کے گھروں کو آگ لگا دی جاتی ہے گویا کی ایک خوشی دوسرے کے لئے پیام موت ہے۔۔۔۔۔غرض ہماری سعادت اور خوش بختی اسی میں ہے کہ ہم اسلام کی عطا کردہ اس سادگی کو ایک رحمت تصور کرتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھائیں اور ساری دنیا کو روشنی کی راہ دکھائیں۔جب تک یہ انقلابی قدم اٹھایا نہ جائے آج بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح مشکل ہے۔۔امت مسلمہ تو ہمیشہ دنیا میں انقلاب برپا کرنے اور بگڑے ہوئے رسوم وخرافات کے خلاف علم جہاد بلند کرنے کے لئے مبعوث کی گئی ہے۔(۶۹)

غرض شادی بیاہ کے سلسلے میں خواہ مخواہ اسراف اور فضول خرچی سے کام لینا نہ صرف شرعی اعتبار سے قابل

مذمت ہے بلکہ خود معاشرتی وتمدنی نقطہ نظر سے یہ چیز بربادی کا پیش خیمہ ہے۔شادی کو آسان سے آسان تر ہونا چاہیے جو ہر امیر وغریب کے لئے یکساں طور پر قابل حصول ہو سکے ورنہ زندگی ایک عذاب بن جائے گی۔(۷۰)

لہذا ارباب حل وعقد، اساتذہ کرام، واعظین، آئمہ کرام پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ قوم کو ان تمام چیزوں کے مفاسد سے آگاہ کریں اور خود بھی سادہ طرز عمل اپنائیں تا کہ ایک صالح معاشرے کی بنیاد رکھی جا سکے۔

تجاویز وسفارشات:

۱۔ نصاب تعلیم میں اسلامی اور مروجہ رسوم رواج کے درمیان خط امتیاز واضح کیا جائے۔اور بتایا جائے کی روایات خواہ کتنی ہی قدیم کیوں نہ ہوں دین کا درجہ حاصل نہیں کر سکتیں اور اگر وہ دین کی تعلیمات کی واضح تعلیمات کے خلاف ہوں تو پھر بھی ان کی بیخ کنی اولین ترجیح بن جاتی ہے۔نیز نصاب تعلیم میں ازدواجی زندگی کے حوالے سے ایسی تحریریں شامل کی جائیں جن میں نکاح کی اہمیت، ضرورت ومقاصد، تحفظ، اور باہمی حقوق وفرائض کے حوالے سے جامع معلومات موجود ہوں۔

۲۔ بڑی کلاسز کے نصاب تعلیم میں طہارت، وپاکیزگی، ازدواجی زندگی کے دوران پیش آنے والے مسائل کے حوالے سے مواد شامل کیا جائے۔

۳۔ معاشرے میں خاندانی نظام کو لاحق خطرات کی ایک بڑی وجہ مادیت پرستی اور نمود ونمائش پر مبنی کلچر ہے۔اس صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لیے سادہ طرز زندگی اختیار کرنے کی ایک غیر معمولی اور مسلسل مہم شروع کرنے کی ضرورت ہے۔

۴۔ حکومتی سطح پر اس نوعیت کی بڑی مہم شروع کی جا سکتی ہے۔تا کہ اس کے اثرات جلد اور دور رس ہوں۔

۵۔ خاندان، معاشرے، اور سماجی وثقافتی سطح پر فعال تنظیمیں اس سلسلے میں عوامی شعور بیدار کریں اور عوام کی ذہن سازی کریں۔

۶۔ ذرائع ابلاغ خصوصا الیکٹرانک میڈیا اپنے سنجیدہ وتفریحی پروگرامز کے ذریعے ذات پات، سماجی تفریق، طبقاتی نظام، اور مادیت پرستی کو ختم کی جائے۔اور ایسے موضوعات کو موثر انداز میں پیش کیا جائے کہ معاشرے میں جہیز جیسی لعنت، اسراف، اور افراط پر مبنی خیالات کی اثر اندازی کم ہے سکے۔

۷۔ ذرائع ابلاغ کے ذریعے جہیز کی حوصلہ شکنی اور وراثت کے حق کی ادئیگی کو اجاگر کیا جائے۔اس بات کو بھی نمایاں کیا جائے کی وراثت کے حق کی ادائیگی سسرال میں لڑکی کی الگ حیثیت اور مقام میں بھی اضافہ کا موجب بنتی ہے۔

۸۔ آئمہ کرام، خطباء حضرات، اساتذہ کرام، اپنے دروس وخطبات میں خصوصا عائلی زندگی کی اہمیت، نکاح کا مسنون طریقہ، مقاصد، اہمیت، مہر کی اہمیت، وراثت اور سادہ طرز عمل کی ادائیگی سے روشناس کرائیں۔

۹۔ بے جا اخراجات کے خاتمے اور ان میں نمایاں کمی کے لیے بیوٹی پارلر انڈسٹری پر ٹیکس عائد کیے جائیں۔ کیونکہ شادی کے موقع پر بیشتر روپیہ اسی ضمن میں خرچ ہوتا ہے۔

۱۰۔ شادی بیاہ کی فضول رسومات میں اسراف وتبذیر، نمود ونمائش، کی عوامی اور حکومتی ہر دو سطح پر حوصلہ شکنی کی جائے اور سادگی کو اپنایا جائے۔

۱۱۔ اس سلسلے میں خواتین کی تربیت پر بہت زیادہ زور دیا جائے۔ کیونکہ بہت سے مسائل خواتین کے دین کی صحیح روح سے نابلد ہونے کی وجہ سے بھی ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کو عائلی نظام کی اہمیت اور مقاصد سے واقفیت دی جائے۔ اس طرز عمل کو اپنانے سے یقیناً صورتحال بہت جلد بہتر ہوسکتی ہے اور اس کے اثرات بھی یقیناً بہت دوررس ثابت ہوں گے۔ انشاء اللہ العزیز

حواشی وحواجات

۱۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، امام، جامع ترمذی، دار الغرب الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۸ء، کتاب النکاح، باب ماجاء فی فضل تزویج والحث علیہ، حدیث نمبر: ۱۰۸۰

۲۔ ابن ماجہ، ابوعبد اللہ، امام، سنن ابن ماجہ، دراحیاء کتب العربیہ، س۔ن، کتاب النکاح، باب من جآء فی فضل النکاح، حدیث نمبر: ۱۸۴۶

۳۔ الروم: ۲۱

۴۔ ابن منظور افریقی، لسان العرب، (مادہ جھز) بیروت، ۱۹۵۶ء، ۱۳۲۵/۵

۵۔ لوئیس مالوف، المنجد، بیروت، ۱۹۵۶ء، ص: ۱۰۶

۶۔ اصفہانی، امام راغب، المفردات فی غریب القرآن، کتاب الجیم، کراچی، نور محمد، س۔ن، ص: ۱۰۱

۷۔ نثیر نور الحسن، مولوی، نور اللغات، اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۶ء، ۱۲۶۵/۱

۸۔ اردو انسائیکلو پیڈیا، لاہور، فیروز سنز، ص: ۵۴۹

۹۔ Max Radian, Encyclopedia of Social Science , The Macmillan Company,MCML, (New York, 1950) Vol: 5, P: 230

۱۰۔ السید سابق، فقہ السنہ، بیروت، لبنان، ۱۶۷/۲

۱۱۔ السید سابق، فقہ السنہ، (باب الجہاز) جدہ، شرکۃ دار القبلۃ للثقافۃ الاسلامیہ، س۔ن، ۳۰۲/۲

۱۲۔ ایضا

۱۳۔ Devasia, leelamma, famale victims, India, Dattson Publishers,Nagpur, 1989, P: 141.

۱۴۔ وحید الدین خان، مولانا، خاتون اسلام، کراچی، فضلی سنز، اردو بازار، ۱۹۹۸ء، ص: ۲۳۵

۱۵۔ Altekar, Dr, The position of women in Hindu civilization, Dehli, 1983, p:70

۱۶۔ ibid,P:71

۱۷۔ نسائی، احمد بن شعیب، سنن نسائی، حافظ، سنن نسائی، ریاض، دار السلام للنشر والتوزیع، ۱۹۹۹ء، کتاب النکاح، باب جہاز الرجل ابنتہ، حدیث نمبر: ۳۳۸۶

۱۸۔ ایضا

۱۹۔ یوسف: ۵۹

۲۰۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن ابن ماجہ، ریاض، دار السلام للنشر والتوزیع ۱۹۹۹ء، کتاب الزہد، باب ضجاع آل محمد، ص: ۳۱۷، حدیث نمبر: ۴۱۵۲

۲۱۔ بحوالہ، محمد یوسف کاندھلوی، مولانا، حیاۃ الصحابہ، مترجم: للطباعۃ والنشر والتوزیع، دار القلم، ۶۶۹/۲

۲۲۔ ایضا، ص: ۶۶۷

۲۳۔ قسطلانی، مواہب الدنیہ، المکتبہ الاسلامی، ۱۹۹۱ء، ۳۸۳/۱۔۳۸۴

۲۴۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۹۶ء، ۲۵۳/۷۔۲۵۵

۲۵۔ شیخ ابوجعفر طوسی، کتاب الامالی، عراق، جدید نجف اشراف، ۳۹/۱

۲۶۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب النکاح، باب الولیمہ، حدیث نمبر: ۱۹۷۰

۲۷۔ صدیقی، محمد یسین مظہر، مولانا، پروفیسر، عہد نبوی ﷺ کا تمدن، نئی دہلی، اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۰ء، ص: ۵۷

۲۸۔ البقرہ: ۱۸۸ ۲۹۔ نساء: ۲۹:۴

۳۰۔ قرطبی، ابوعبداللہ، امام، تفسیر قرطبی، دارالکتب المصریہ۔ القاہرہ، ۱۹۶۴ء، ۱۵۰/۵

۳۱۔ تفسیر قرطبی، ج: ۲، ص: ۳۳۸

۳۲۔ زمخشری، جاراللہ، علامہ، تفسیر کشاف، تہران، س۔ن، ۳۴۰/۱

۳۳۔ تفسیر جلالین، مطبوعہ مصر، س۔ن، ۲۷/۱

۳۴۔ الحج: ۷۸ ۳۵۔ البقرۃ: ۲۹۶

۳۶۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دارطوق النجاۃ، ۱۴۲۲ء، کتاب العلم، باب ما کان النبی ﷺ یتخولھم بالموعظۃ والعلم کی لاینفروا، حدیث نمبر: ۶۹

۳۷۔ ابن کثیر: عمادالدین، حافظ، علامہ، تفسیر ابن کثیر، مصر، ۴۹۱/۱

۳۸۔ محمد شکیل اوج، پروفیسر، ڈاکٹر، نسائیات۔ چند فکری مباحث، کراچی، فکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ کراچی، ۲۰۱۲ء، ص: ۵

۳۹۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، ریاض، دارالسلام للنشر والتوزیع، ۱۹۹۹ء، کتاب الزکوۃ، باب ماجاء من تحل لہ الزکاۃ، ص: ۱۶۷، حدیث نمبر: ۶۵۰

۴۰۔ السنن نسائی، کتاب النکاح، باب کراھیۃ تزویج الزناۃ، ص: ۴۴۷، حدیث نمبر: ۳۲۳۳

۴۱۔ ھدایہ، ۴۳۷/۲

۴۲۔ مسلم، ابن الحجاج القشیری، امام، الجامع الصحیح للمسلم، داراحیاء التراث العربی۔ بیروت، س۔ن، کتاب الزکوۃ، ص: ۴۱۸، حدیث نمبر: ۲۳۹۹

۴۳۔ دارقطنی، علی بن عمر، حافظ، سنن دارالقطنی، بیروت، داراحیاء، التراث العربی، ۱۹۹۳ء، الجزء الاول، کتاب الزکوۃ، باب: الغنی الذی یحرم السؤال، ص: ۱۲۱، حدیث: ۱

۴۴۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، الریاض، دارالسلام للنشر والتوزیع، ۱۹۹۹ء، کتاب الزکوۃ، باب من یعطی من الصدقۃ و ھوالغنی، ص: ۲۴۳، حدیث: ۱۶۳۴

۴۵۔ الصحیح المسلم، کتاب الزکوۃ، باب من جاء من لاتحل لہ الصدقۃ، ص: ۱۶۷، حدیث نمبر: ۶۵۳

۴۶۔ ایضا، حدیث نمبر: ۷۲۲

۴۷۔ ابن حزم، اندلسی، امام، المحلیٰ، بیروت، المکتبہ التجاری، س۔ن، احکام النکاح، مسئلہ: ۱۸۴۹، ۵۰۷/۹،

۴۸۔ الجزیری، عبدالرحمٰن، الفقہ علی المذاہب الاربعہ، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ۱۹۶۹ء، کتاب النکاح، ۱۷۶/۴

۴۹۔ لجنۃ احیاء التراث العربی، الاحکام الشرعیۃ فی احوال الشخصیہ علیٰ مذاہب ابی حنیفہ، بیروت، س۔ن، ص: ۳۹

۵۰۔ فتاویٰ عالمگیری، مصر، ۱۳۱۰ھ، ۳۲۸/۱ ۴، جواہر الفقہ، ۴۰۰/۴

۵۱۔ مفتی، محمد شفیع، جواہر الفقہ، کراچی، مکتبہ دار العلوم، ۲۰۱۰ء، ۴۰۰/۴

۵۲۔ سعد اللہ، حافظ، عائلی زندگی اور ہمارے مسائل کا حل، سیرت طیبہ کی روشنی میں، ششماہی جہات الاسلام، ج:۶، شمارہ:۱، لاہور، کلیہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، ص:۱۰۴

۵۳۔ گلریز محمود، دور نبوت میں شادی بیاہ کے رسم و رواج اور پاکستانی معاشرہ، لاہور، الائیڈ بک سنٹر، اردو بازار، ۲۰۱۰ء، ص:۱۴۰۔۱۴۱

۵۴۔ البنا، احمد عبد الرحمٰن، بلوغ الامانی، شرح فتح الربانی لترتیب مسند احمد، بیت الافکار الدولیہ، ۲۰۰۹ء، ۱۷۷/۱۶

۵۵۔ خالد سیف اللہ رحمانی، حلال وحرام، کراچی، زمزم، پبلشرز، ۲۰۰۴ء، ص:۲۷۵

۵۶۔ اشرف علی تھانوی، مولانا، اصلاح خواتین، لاہور، مکتبہ سید احمد شہید، ۲۰۰۳ء، ص:۱۵۳۔۱۵۴

۵۷۔ تھانوی، اشرف علی تھانوی، مولانا، اسلامی شادی، دار اشاعت، کراچی، س۔ن، ص:۱۵۳

۵۸۔ عبد الوکیل سواتی، مفتی، جہیز اور اس کے تباہ کن اثرات، کراچی، اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری، ۱۴۲۲ھ، ص:۲۷

۵۹۔ الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الولیمۃ حق، قول عبد الرحمٰن بن عوفؓ

۶۰۔ محمد سعید احمد، پروفیسر، حافظ، اسلام میں شادی کا تصور، لاہور، زاویہ پبلشرز، ۲۰۰۳ء، ص:۱۴۱

۶۱۔ بخاری، کتاب الولیمہ، باب: من اولم علی بعض نسائہ اکثر من بعض، حدیث نمبر:۵۱۷۱

۶۲۔ بخاری، کتاب الولیمہ، باب من اولم، حدیث نمبر:۵۱۷۲

۶۳۔ ایضا، حدیث نمبر:۵۱۶۹

۶۴۔ اسلام کا ازدواجی نظام، ظفیر الدین، محمد، مولانا، لاہور، طیبہ پبلشرز، اردو بازار، ۲۰۰۳ء، ص:۱۵۴

۶۵۔ الجامع الصحیح، کتاب الولیمۃ، باب حق الولیمۃ والدعوۃ ومن أولم سبعۃ ایام ونحوہ، حدیث نمبر:۵۱۷۳

۶۶۔ ایضا، کتاب الولیمۃ، باب من ترک الدعوۃ فقد عصی اللہ ورسولہ، حدیث نمبر:۵۱۷۷

۶۷۔ تقی عثمانی، مفتی، مولانا، اصلاحی خطبات، کراچی، ورمیمن پبلشرز، لیاقت آباد، ۲۰۰۱ء، ص:۶۷۔۶۸

۶۸۔ اسلام میں شادی کا تصور، ص:۱۴۱۔۱۴۲

۶۹۔ ایضا، ص:۱۴۱

۷۰۔ ایضا، ص:۱۴۰